ಕರ್ನಾಟಕ ರಾಜ್ಯ ಮುಕ್ತ ವಿಶ್ವವಿದ್ಯಾನಿಲಯ
ಮಾನಸಗಂಗೋತ್ರಿ, ಮೈಸೂರು ೫೭೦ ೦೦೬

KARNATAKA STATE OPEN UNIVERSITY
Manasagangothri, Mysore - 570 006

M.A. FINAL - URDU

Course - II, Block - 1
Unit - 1 - 4

مولانا الطاف حسین حالی

خلیل الرحمن اعظمی

احتشام حسین

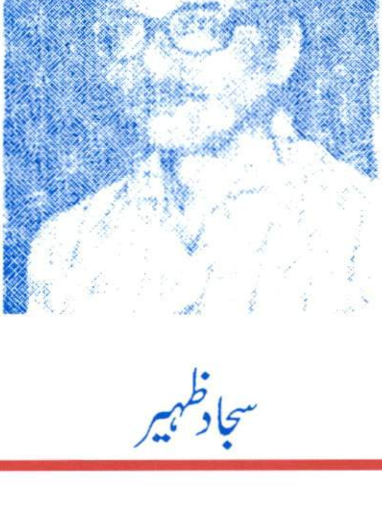

سجاد ظہیر

COURSE - 2

BLOCK - 1

KSOU NATIONAL INTERNATIONAL RECOGNITION

Karnataka State Open University (KSOU) was established on 1st June 1996 with the assent of H.E. Governor of Karnataka as a full fledged University in the Academic year 1996 vide Government notification No./EDI/UOV/dated 12th February 1996 (Karnataka State Open University Act – 1992). The Act was promulgated with the object to incorporate an Open University at the State Level for the introduction and promotion of Open University and Distance Education Systems in the education pattern of the State and the Country for the Co-ordination and determination of standard of such systems.

- With the virtue of KSOU Act of 1992, Karnataka State Open University is empowered to establish, maintain or recognize Institutions, Colleges, Regional Centres and Study Centres at such places in Karnataka and also open outside Karnataka at such places as it deems fit.
- All Academic Programmes offered by Karnataka State Open University are recognized by the Distance Education Council (DEC), Ministry of Human Resource Development (MHRD), New Delhi.
- Karnataka State Open University is a regular member of the Association of Indian Universities (AIU), New Delhi, since 1999.
- Karnataka State Open University is a permanent member of Association of Commonwealth Universities (ACU), London, United Kingdom since 1999. Its member code number: ZKASOPENUINI.
- Karnataka State Open University is a permanent member of Asian Association of Open Universities (AAOU), Beijing, CHINA, since 1999.
- Karnataka State Open University has association with Commonwealth of Learning (COL), Vancouver, CANADA, since 2003. COL is an intergovernmental organization created by commonwealth Heads of Government to encourage the development and sharing of open learning distance education knowledge, resources and technologies.

Higher Education To Everyone Everywhere

Karnataka State Open University

Manasagangothri, Mysore - 570 006

کرناٹک اسٹیٹ اوپن یونیورسٹی،

مانسا گنگوتری، میسور

MA (FINAL)

COURSE - 2

BLOCK - 1 (1 - 4) UNITS

ایم اے: سال دوم

کورس۔۲ حصہ۔۱۔اکائیاں(۱۔۶)

MA (FINAL)

COURSE -II

BLOCK - 1 (1 - 4) UNITS

کورس-۲-حصہ ا

اکائیاں (ا تا ۴)

وائس چانسلر

پروفیسر کے سدھارائو

ڈین اکاڈمک

پروفیسر چمبی پرانک

فیکلٹی ممبرس

1۔ ڈاکٹر جہاں آراء بیگم

ریڈر وصدر شعبہ اُردو، کے ایس او یو، میسور

2۔ بلقیس بانو۔ ایم

سینئیر لیکچرر، اور کوآرڈینیٹر ,کے ایس او یو، میسور

ایڈیٹر و کوآرڈینیٹر

ڈاکٹر جہاں آراء بیگم

مصنفہ: **ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ**

وظیفہ یاب پروفیسر،

پی جی سنٹر، سکندرآباد

باب ۱

یہ باب اردو ادب کے نئے رجحانات کا ایک حصہ ہے۔ اس کورس میں چار کتابیں ہیں۔ پہلی کتاب " آج کا اردو ادب " ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کی ہے۔ یہ باب اُسی کے لئے مختص ہے۔ اس میں چار اکائیاں شامل ہیں۔ پہلی اکائی میں جدید اردو ادب کے پس منظر کے متعلق معلومات فراہم کئے گئے ہیں۔ دوسری اکائی میں جدید اردو شاعری اور چند شعرا کے تحت تفصیلات درج ہیں۔ تیسری اکائی جدید اُردو ناول کے لئے مخصوص کی گئی ہے جن میں جدید ناول نگاروں کی تخلیقات کے تعلق سے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھی اکائی جدید اردو افسانہ پر مشتمل ہے۔ جس میں جدید افسانہ نگاروں کے نام اور ان کے افسانے شامل کئے گئے ہیں۔

کورس ۲

باب ۱

مشتمولات

اکائی نمبر ۱: جدید اردو ادب کا سیاسی و سماجی پس منظر

اکائی نمبر ۲: جدید اردو شاعری

اکائی نمبر ۳: جدید ناول

اکائی ۴: جدید اردو افسانہ

اکائی ۱ جدید اُردو ادب کا سیاسی اور سماجی پس منظر

ساخت:

1.0 اغراض و مقاصد

1.1 تمہید

1.2 جدید ادیب کی تعریف اور ہئیت

1.3 جدید ادب کے سیاسی اور سماجی پس منظر میں ادباء و شعرا

1.4 خلاصہ

1.5 نمونہ ء امتحانی سوالات

1.6 فرہنگ

1.7 سفارشی کتب

1.0 اغراض و مقاصد:

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلباء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ جدید ادب کا تعارف کرائیں۔ اُردو کے جدید ادب کا سیاسی اور سماجی پس منظر پیش کریں۔ جدید ادب کی تشریح کرتے ہوئے اس کا عمومی جائزہ لیں۔

1.2 تمہید:

اس اکائی میں ہم جدید ادب سے آپ کو متعارف کرائیں گے۔ جدید ادب کے آغاز و ارتقاء کا جائزہ بھی پیش کریں گے، اور مجموعی طور پر جدید ادب کے سیاسی اور سماجی پس منظر کا جائزہ لیں گے۔

1.3 جدید ادب کی تعریف اور ہئیت:

لفظ جدید یا جدیدیت حسب ذیل معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(ا) خالص تاریخی مفہوم: اس کے مطابق بیسویں صدی اور انیسویں سے آج گذشتہ کل سے زیادہ جدید ہے۔اس استعمال میں تمام دوسری کیفیات کونظر انداز کیا جاتا ہے۔

لغوی معنی: اس کے مطابق ہر وہ چیز یا پہلو جو مروجہ فیشن ہے، جدید کہا جائیگا، چاہے وہ پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ،لغوی مفہوم تاریخی مفہوم سے قریب ضرور ہے مگر بقیہ و،ہی نہیں۔

ٹھوس بیانیہ استعمال:اس کے مطابق ہمیں دو پہلوؤں کونظر میں رکھنا پڑتا ہے،

(ا) ذہن کا ایک مخصوص رویہ

(۲) ایک نظام فکر یا نظام اقدار جو ہمارے عہد کے فکری پیمانے سے متعلق ہے۔

کسی چیز کی قدر کے یقین کے لئے ملا جلا مفہوم چند مخصوص خصوصیات کے بیان میں مضمر ہوتا ہے،جس طرح اس بیان میں کہ "نہرو کا زاویہ نظر بہت ہی جدید تھا"

جدید پرستی Modernism کا لفظ موجودہ مفہوم میں سب سے پہلے انیسویں صدی کے آخری مرحلے میں قدامت پسند کیتھولک کلیسا کے حلقوں میں استعمال کیا گیا۔اس لفظ سے واہ ابھرتی ہوئی لبرل تحریک مراد رہی، جو پروٹسٹنٹ عیسائیت کے ایک طبقہء میں زور پکڑ رہی تھی،اس طرح جدید پرستی کو مذہب کی کائنات سے جوڑ دیا گیا اگر چہ اس لفظ کا استعمال کبھی خالص مذہبی مفہوم میں محدود نہیں رہا لیکن جدید پرستی سے بالعموم مذہبی جدیدیت یا عیسائیت کا جدید تصور ہمیشہ کسی نہ کسی طرح منسلک رہا جدیدیت، جدید پرستی سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر مفہوم رکھتی ہے۔ (Modernism) (Modernity).

وسیع تر معنوں میں جدیدیت کے معنی یہ رہے ہیں کہ ہم عصر یا جدید رجحانات و میلانات کو

روایتی اور قدیم اقدار پر زندگی کے ہر شعبوں میں فوقیت دی جائے چونکہ ہم عصر یا جدید کا مفہوم زمانہ کی اضافت سے ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، آج کی حقیقی جدیدیت کو جو ہر لمحہ ماضی کا ایک حصہ بنتی جاتی ہے، گزرے ہوئے کل سے الگ کرنا بہت مشکل ہے، حقیقی اور ٹھوس جدیدیت ایک نہیں کئی ہیں۔ یہ سب زمانی و مکانی رشتوں سے متعین ہوتی ہیں جبکہ جدیدیت ایک مخصوص رویہ، بالقدر کے مفہوم میں ابدی کہلائی جاسکتی ہے، اس کا تعلق ناظر کے زمانی رشتوں کے ساتھ محدود نہیں ہوتا۔

جدیدیت کو ایک مخصوص رویہ کے مفہوم میں دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، (۱) تقلیدی یا تخلیقی (۲) وہ رویہ جو ردِ عمل یا موجودہ تقاضوں کی تکمیل کے لئے اختیار کیا جاتا ہے۔ تقلیدی جدیدیت کو فیشن پرستی کہنا زیادہ مناسب ہوگا، یہ رویہ دراصل نئے بھیس میں ایک طرح کی جامد روایت پرستی ہی ہے، عبارت تخلیقی جدیدیت اس کے برعکس محض حال سے دل دچسپی نہیں بلکہ مستقبل سے گہری وابستگی اور اس پر غور و فکر کا نام ہے۔ وہ جدیدیت جو ردِعمل سے متعلق ہے۔ وہ دراصل ایک دبے ہوئے زمانہ اور ماحول کے نئے پن کو سطحی طور پر اور فوری قبول کرنے کا نام ہے اس کے برعکس وہ جدیدیت جو وقت کے تقاضوں کی تکمیل سے عبارت ہے وہ ہمیشہ بدلتے ہوئے انسانی ماحول اور تقاضوں کے ساتھ چلنے والی ایک تخلیقی بیداری اور معتبر رویہ ہے جسے ماحول پیدا ہونے والی جدیدیت جامد روایت پرستی کی طرح بنجر اور بے معنی ہوتی ہے، جدیدیت صحیح معنوں میں محض حال، یا ماضی یا قرون وسطیٰ سے ایک طرح کے جذباتی اور روحانی لگاؤ کا نام نہیں بلکہ اقدار کی تلاش کا نام ہے۔ اس تلاش کے قدم وقت کے راستے پر نہ کبھی رکے ہیں اور نہ رکیں گے۔ یہ کسی چیز کے مروجہ تصورات کو قبول کرنے پر قانع نہیں رہتی بلکہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہمیشہ ارتقاء کے راستے پر آگے ہی آگے بڑھتی رہتی ہے۔

جدیدیت کی مختصر ترین تعریف یہی ہوسکتی ہے کہ یہ اپنے عہد کی زندگی کا سامنا کرنے اور اسے تمام خطرات و امکانات کے ساتھ برتنے کا نام ہے، ہر عہد میں جدیدیت ہم عصر زندگی کو سمجھنے اور

برتنے کے مسلسل عمل سے عبارت ہوتی ہے، اس لحاظ سے جدیدیت ایک ایسا مستقل عمل ہے جو ہمیشہ جاری رہتا ہے، ہر عہد میں اُن لوگوں نے جو ترقی طور پر زندہ رہے ہیں اس عمل میں حصہ لیا ہے۔

اُردو میں جدید اردو ادب کی ابتدا :

جدید ادب کی تاریخ وتنقید کا آغاز ۱۸۵۷ء سے کیا جاتا ہے، یہ تاریخ نہ صرف اُردو زبان و ادب کی زندگی ہے، بلکہ برصغیر ہندو پاک کی تاریخ میں بڑی سیاسی اور سماجی اہمیت رکھتی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی صرف ایک ایسا سیاسی حادثہ نہ تھا جس کے اثرات صرف انتظام حکومت تک محدود رہے، اس زوال اور انحطاط کی داستان بہت طویل ہے۔ سرسید احمد خان نے اپنی مشہور تصنیف "رسالہ اسباب بغاوت ہند" میں اسی سرکشی کے اسباب کے تحت بحث کرتے ہوئے ان حالات کا تجزیہ کیا تھا جن حالات میں غدر ہوا۔

سیاسی طور پر اس غدر کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ ہندو پاک کے مسلمانوں کی اکثریت ایک شدید قسم کی گھٹن میں گرفتار ہوگئی فتح مند انگریزوں نے اس جنگِ آزادی کو غدر کا نام دیا اور اس کی پوری ذمہ داری مسلمانوں پر ڈال دی۔ اگرچہ مسلمانوں کے علاوہ اس انقلاب میں برصغیر ہندو پاک کی دوسری قومیں بھی شریک تھیں لیکن وہ انگریزوں کے اس عتاب سے محفوظ رہیں بلکہ ان میں سے بعض کو انعام و اکرام سے بھی سرفراز کیا گیا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں مسلمانون کے غم وغصہ اور نفرت کا جواز پیش کرنے کے باوجود سرسید احمد خان کو اپنے محاذ کی کمزوری کا بھی پورا احساس تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اس قوم کو زندہ رہنا ہے اور ترقی کرنا ہے تو اسے بہت کچھ اپنے آپ کو بدلنا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا پڑے گا، سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی اصلاح اور بالخصوص سیاسی اور تعلیمی میدان میں انقلاب پیدا

کیا، مسلمانون کو انگریزی زبان سیکھنے کی ترغیب دی خصوصاً اُردو زبان و ادب کے سلسلے میں سرسید کی ادبی تحریک نے اُردو کے ادبی میلانات اور رجحانات کے لئے راہیں متعین کیں۔ اُردو کے جدید ادبی دور کا آغاز سرسید تحریک ہی سے ہوتا ہے، یہ ادبی تحریک ہے، جو سرسید کے نام ہی سے پکاری جاتی، بڑی ہمہ گیر تحریک تھی جس میں ان کے رفقا محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، الطاف حسین حالؔی، مولانا شبلی نعمانی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سرسید کو ملا کر یہ چاروں اُردو کے 'عناصر خمسہ" کہا جاتا ہے، سرسید اور ان کے رفقا اور ہندو پاک کے دوسرے مفکر اور رہنما، مسلمانوں کی تنظیم، اصلاح اور تربیت کی کوشش کر رہے تھے۔ اصلاح کا کام بڑا دشوار ہوتا ہے، صدیوں کے رسم و رواج کی بندشوں کو توڑنا آسان نہیں ہے۔ نئے خیالات، افکار کو لوگ شک وشبہ کی نظروں سے دیکھتے ہیں، آبا و اجداد کا مسلک کو ایک تقدس حاصل ہوتا ہے۔

ہندو پاک کے مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، تعلیمی، علمی اور ادبی ترقی سے علی گڑھ اور علی گڑھ والوں کے علاوہ اور اداروں اور افراد کا بھی حصہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد تحریکات اور افکار نے ایک ذہنی اور بعد ازاں ایک سیاسی بیداری پیدا کی۔ آہستہ آہستہ ایسے ادارے اور جماعتیں پیدا ہو گئیں جن کا نصب العین جدوجہد تھا۔

اُردو ادب میں جدیدیت کے واضح تصور کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ پہلے جو کام مذہب یا فلسفہ بڑی حد تک انجام دیتا تھا، اب یہ دونوں کے بس کا نہیں رہا۔ ہاں ادب اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو مذہب یا فلسفیانہ نظاموں کی گرفت کے ڈھیلے ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ ادب اس خلاء کو پُر کر سکتا ہے، یا نہیں یہ ایک علٰحدہ سوال ہے۔ ادب میں جدیدیت کے واضح تصور پر موجودہ دور مین ادب کے صالح رول کا انحصار ہے کیونکہ اس صالح رول پر انسانیت کی بقا کا دار و مدار ہے۔ جدیدیت صرف انسان کی تنہائی، مایوسی اور اس کی اعصاب زدگی کی داستان نہیں ہے، اس میں

انسانیت کی عظمت کے ترانے ہیں، اس میں فرد اور سماج کے رشتے کو بھی خوبی سے بیان کیا گیا ہے، اس لئے شعروادب کی پرانی روایات کو بدلنا پڑا۔ زبان کے رائج تصور سے نپٹنا پڑا۔

اُردو ادب کے طالب علموں کو جدیدیت کے ہر روپ کا معروضی طور پر مطالعہ کرنا چاہیئے اور فیشن یا فارمولا کے چکر سے نکل کر اپنے ذہن کو جدیدیت کی روح سے آشنا کرانا چاہیئے وہ قدیم روایتی انداز کے ذہن کو لے کر جدید دور کی بھول بھلیاں میں اپنا راستہ تلاش نہیں کرسکتے،

جدید ادب کے سیاسی اور سماجی پس منظر میں ادبا وشعراء:

سرسید تحریک نے ایک ذہنی بعد ازاں سیاسی بیداری پیدا کی اور آہستہ آہستہ ایسے ادارے اور جماعتیں پیدا ہوگئیں جن کا نصب العین سیاسی جدو جہد تھا۔ ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی، جس نے آگے چل کر آزادی کی تحریک میں ایک اہم رول ادا کیا، اور آج ایک فعال سیاسی جماعت کی حیثیت سے ہندوستان میں باقی ہے۔ ابتداء میں دوسری جماعتوں کی طرح انڈین نیشنل کانگریس کے مطالبات بھی بڑے نرم تھے، اور ابتدائی مطالبہ صرف یہ تھا کہ انگریز امور حکومت میں ہندوستانیوں کے متوازوں کو بھی شریک کریں۔

سرسید احمد خان کانگریس سے پہلے یہ خیال بار بار ظاہر کرچکے تھے، "رسالہ ءاسباب بغاوت ہند" میں انہوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے اسباب میں یہ سبب بھی شامل کیا تھا کہ ملک کے باشندوں کو امور مملکت اور حکومت کے سلسلہ میں مشورہ میں شریک نہیں کیا گیا تھا، شروع میں حالات ایسے تھے کہ مطالبہ بالکل پرامن بلکہ کسی حد تک عاجزانہ رہا اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ سیاسی بیداری عوامی سطح تک نہیں پھیلی تھی، لیکن جیسے جیسے تعلیم پھیلتی گئی اخباروں اور رسالوں میں آزادی کے بارے میں مضامین لکھے جانے لگے۔ اس تحریک نے زور پکڑنا شروع کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وائسرائے کی کونسل میں

ہندوستانی ممبر نامزد کیا گیا، سرسید احمد خان بھی وائسرائے کی کونسل میں رہے۔ شہری آبادی کے امور کے لئے ایسی کمیٹیاں اور ادارے بنائے گئے جن میں عوام کے نمائندے بھی شامل تھے۔ اس دور میں گاندھی جی تحریک آزادی کے علم بردار کی حیثیت سے سامنے آئے اور اپنے ساتھیوں کی مدد سے انہوں نے عدم تعاون کی تحریک شروع کی اسی زمانے میں سودیشی تحریک شروع ہوئی اور ولایتی مال کی بائیکاٹ کرنے کے لئے جدوجہد کی گئی۔ گاندھی جی نے " کھدّر پہنو" کی تحریک شروع کی اور سیول نافرمانی کی تحریک شروع کی جس نے ستیہ گرہ کی صورت اختیار کی، ستیہ گرہ کے معنی صداقت اور حق کی جنگ اور جدوجہد ہے لیکن گاندھی جی نے جنگ کے بجائے دوسرے حربے استعمال کئے، شاید اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ عوامی تنظیم اور مسائل ایسے نہ تھے کہ علی الاعلان جنگ کا آغاز ہوسکتا اور اس جنگ میں کامیابی یقینی ہوتی۔ عدم تعاون کی تحریک کی وجہ سے حکومت اور سیاسی کارکنوں میں براہ راست تصادم کی صورت پیدا ہوگئی، اور حکومت نے سختی کے ساتھ اس تحریک کو کچلنے کی کوشش کی۔ لیڈروں کو جیل میں ڈالا گیا، اخباروں پر پابندیاں لگائی گئیں۔ ان کی ضمانتیں ضبط ہوئیں اور اخبار نویسیوں کو طویل قید کی سزائیں دی گئیں۔ ظفر علی خان، افضل حسین، حسرت موہانی، وغیرہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ اسی تحریک کی بدولت قید فرنگ میں گزارا اور ساری عمر آلام ومصائب کا شکار رہے، گاندھی جی کے ساتھ حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری، ابوالکلام آزاد، موتی نہرو، انکے لائق فرزند جواہر لال نہرو، اس جدوجہد میں برابر کے شریک رہے۔

اکابرین نے اپنے خون جگر سے اس تحریک آزادی کو پروان چڑھایا۔ اب یہ مرحلہ آگیا تھا کہ اس تحریک نے ایک عوامی تحریک اختیار کرلی۔ حکومت کی انتہائی سختیوں کے باوجود لوگ ان مراعات سے مطمئین نہ ہوئے جو مختلف مراحل پر انگریزوں کی طرف سے پیش کی گئیں ایک مرحلہ پر تو یہ مطالبہ عام ہوگیا کہ تاج برطانیہ کے سایہ میں ہندوستان کو ایک آزاد مملکت (Dominion) کا مرتبہ دے

دیا جائے لیکن بہت جلد مکمل آزادی کے مطالبہ نے زور پکڑا اور یہ جنگ اپنے آخری مراحل میں داخل ہوگئی۔ بد قسمتی سے دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریزوں کی سیاسی اور معاشی حالت ایسی نہ رہی تا کہ اس مزاحمت کا مزید مقابلہ کریں، دنیا میں صفِ اول کی قوموں میں ان کی حیثیت جنگ میں فتح کے باوجود ایک پٹے ہوئے مہرے کی سی رہ گئی اور دنیا کی سیاست اور معشیت دونوں سے ان کی ساکھ اُٹھ گئی دوسری طرف خود برطانیہ میں ایسے اندرونی مسائل پیدا ہوگئے جن کی طرف توجہ دینے کے بعد دور دراز علاقوں میں برطانوی یونین جیک کو لہرائے رکھنا ناممکن ہوگیا، اس طویل کشمکش کا انجام بالآخر ۱۹۴۷ء میں حکومت برطانیہ کے اس فیصلہ سے ہوا کہ ہندوستان اور پاکستان کو آزادی مل گئی نتائج اس کے بڑے خوفناک ہوئے، بظاہر یہ انقلاب اور انتقالِ حکومت بڑا پرامن تھا، لیکن آزادی کی دستاویزوں اور معاہدوں کی روشنائی بھی خشک نہ ہونے پائی تھی کہ خونریزی اور بربادی کا ایک طوفان کھڑا ہوگیا، فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے،

غرض ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ایک سو دس سال تک ہندو پاک کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات اور معاملات بہت تباہ کن تھے۔ جدید اُردو ادب کو ہمیں اسی پس منظر میں دیکھنا اور اسی پس منظر میں اس کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی مشیت کا اندازہ لگانا ہے۔ خواندگی برائے نام تھی۔ عورتوں کی تعلیم نہ ہونے کے برابر تھی۔ غرض جدید اردو ادب کا سیاسی، سماجی، ثقافتی اور معاشی پس منظر خاصہ وسیع ہے۔ مذہب، سیاست، تعلیم، رسوم ورواج سب نے مل کر موضوعات اور اسالیب کو وسعت بخشی ہے۔

انجمن پنجاب کے قیام سے جدید اُردو شاعری کے دور کا آغاز ہوا۔ محمد حسین آزاد اس انجمن کے بانی رہے۔ ان کے ساتھ الطاف حسین حالیؔ اور شبلی نعمانی نے بھی اس تحریک کو پروان چڑھایا۔ بعد کے دور میں اکبر الہ آبادی، پنڈت برج نرائن چکبستؔ، علامہ اقبالؔ، ظفر علی خان، اسمٰعیل میرٹھی، جوشؔ ملیح آبادی، نے بڑھ چڑھ کر اس تحریک کا ساتھ دیا۔ ان کے علاوہ عبدالحلیم شررؔ، درگا سہائے سرور

جہاں آباد، عظمت اللہ خان، ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری، فراق گورکھپوری، جذبی، احسان دانش، ن۔م۔ راشد اور میراجی کے کلام میں ایک عدم اطمینان اور بے چینی کی رو ملتی ہے، جو کبھی کبھی گھٹن میں بدل جاتی ہے۔ یہ کیفیت معاشرہ کے حالات سے بے اطمینانی سے پیدا ہوئی اور اس امید کی جھلک آج کی اُردو شاعری میں ملتی ہے۔

1.4 خلاصہ:

غدر ۱۸۵۷ء سے جدید اُردو ادب کی تاریخ وتنقید کا آغاز کیا جاتا ہے۔ یہ تاریخ نہ صرف اُردو زبان وادب کی زندگی میں بلکہ برصغیر ہند و پاک کی تاریخ میں بڑی سیاسی اور سماجی اہمیت رکھتی ہے، اس زوال اور انحطاط کی داستان بہت طویل ہے۔ سر سید احمد خان نے ایسے نازک دور میں بڑی مسیحائی کی۔ انگریزوں کے دلوں میں جو مسلمانوں کے خلاف نفرت بھری، اس کو دور کرنے کے لئے ایک رسالہ 'اسباب بغاوت ہند" تحریر کیا جس میں وہ اسباب بیان کئے، جن کی بنا پر مسلمان انگریزوں پر حملہ آور ہوئے کے فتح مند انگریزوں نے اس جدو جہد آزادی کا، 'غدر" نام دیا تھا۔ اور اس کی تمام تر زمہ داریاں مسلمانوں پر ڈال دی تھی۔ 'رسالے ء بغاوت ہند" نے ایک صفائی کا کام کیا۔ ایک حد تک انگریزوں نے سر سید احمد خان کی وکالت کو قبول کیا۔ مسلمان انگریزی سیکھنے لگے ان کو ملازمت ملنے لگی۔

ان آلام اور مصائب کی داستان سننا ہو تو مولانا فضل حق خیر آبادی اور منیر شکوہ آبادی کی تحریروں کو پڑھیئے۔ عام مسلمانوں کی اقتصادی بد حالی کا حال نا گفتہ یہ تھا یہ ایسا انقلاب تھا جس نے خاندانوں کی کایا پلٹ دی، جن لوگوں کے دروازے پر کبھی ہاتھی جھومتے تھے وہ اب در بدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور سر چھپانے کو کوئی جگہ نہیں پاتے تھے، وہ جن کے دامن دولت سے شعراء حکیم۔ مصور، موسیقار، داستان گو، شمشر زن، تیر انداز غرض ہر فن کے باکمال لوگ وابستہ تھے، وہ اب خود ایک وقت کی روٹی کے محتاج تھے۔ جن معزز خواتین و بیگمات کو کسی نا محرم نے دیکھا تک نہ تھا وہ

اب ننگے پاؤں سر ماری ماری پھرتی تھیں، اور کہیں پناہ کی صورت نظر نہ آتی تھی۔

ثقافتی نقطہء نظر سے یہ ایک بڑا قومی سانحہ تھا جس کی مثال اس سے پہلے اس ملک کی تاریخ میں نہیں ملتی، یہ وقت بڑی آزمائش کا تھا جو انگریزوں کے خلاف آواز بلند کرتے وہ مارے جاتے تھے۔ سر سید احمد خان اچھی طرح جانتے تھے کہ اس قوم کو زندہ رہنا اور ترقی کرنا ہے تو اسے بہت کچھ اپنے آپ کو بدلنا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنا پڑے گا۔ انہوں نے مسلمانوں کی اصلاح اور بالخصوص سیاسی اور تعلیمی میدان میں تبدیلیاں لانی شروع کی، خاص طور پر اُردو زبان وادب کے سلسہ میں سر سید کی ادبی تحریک نے اردو کے ادبی میلانات اور رجحانات کے لئے راہیں متقین کیں۔ اس سے اندازاہ ہوتا ہے کہ یہ ہمہ گیر تحریک تھی جو سر سید کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ اس تحریک میں ان کے رفقائے کار محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد، الطاف حسین حالی اور شبلی نعمانی نے بڑا حصہ لیا۔ اس تحریک کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو شعر اور مضفین کو ایک نیا ادبی نقطہء نظر ملا اور اور نئے ادبی افق سامنے آئے اس تحریک نے موضوعات کو وسعت بخشی، بیان کی سلاست، اور سادگی پر زور دیا۔ سر سید کی اس ادبی تحریک سے پہلے اردو شاعری اور نثری تصانیف کا ایک بڑا حصہ مضامین خیالی پر مشتمل تھا۔ سر سید اور ان کے رفقا نے با مقصد، مفید اور تعمیر کن ادبی تخلیقات پر زور ڈالا، اور خود سر سید احمد نے اور ان کے رفقانے اپنی تحریروں کے ذریعہ ایسی ادبی تخلیقات کے نمونے پیش کئے جن میں سماجی، تہذیبی، اور تاریخی اہمیت کے موضوعات اور مضامین کی طرف توجہ دی۔

1.5 نمونہ امتحانی سوالات

ا۔ جدید ادب کے سیاسی اور سماجی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔

۲۔ علی گڑھ تحریک نے اردو ادب کو کیا دیا؟ مثالوں سے واضح کیجئے۔

ان سوالوں کے جوابات 1.2 اور 1.3 میں تلاش کریں۔

فرہنگ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
مفہوم	معنی	مروجہ	رائج
بعنیہ	ہو بہ ہو، من وعن	اقدار	قدر کی جمع
عیسائیت	حضرت عیسیٰؑ کو ماننے والے، (کرسچن)		
پروٹسٹنٹ	کرسچنوں کا انقلابی فرقہ	ابدلی	ہمیشہ کیلئے
جامد	جس میں جمہور طاری ہو	انحطاط	کمی
متقین	مقرر کرنا	آشنا	واقف
نصب العین	اصلی مقصد، اصول، دلی تمنا	مقاطعہ	بائکاٹ، کاٹنا، تعلق نہ
فرنگ	انگریز	مراعات	سہولتیں
مزاحمت	روک ٹوک	آلام	صعوبتیں، مصائب
برصغیر	ایشاء، خشکی کے بہت سارے ملکوں کا		
مصائب	مصیبت کی جمع، مشکلات	شمشیر زن	تلوار چلانے والے
میلانات	رحجانات، خواہشات	ہمہ گیری	عالیمی

1.7 سفارشی کتب:

ا۔جدید ادب	پروفیسر آل احمد سرور
۲۔جدید ادب کی فلسفیانہ اثاث	ڈاکٹر شمیم حنفی
۳۔آج کا اردو ادب	ڈاکٹر ابوللیث صدیقی

اکائی ۲ جدید اردو شاعری

ساخت

2.0 اغراض ومقاصد

2.1 جدید اردو شاعری تعریف اور ہئیت

2.2 اردو میں جدید اردو شاعری کی ابتداء

2.3 اردو کے چند جدید شاعر

2.4 خلاصہ

2.5 نمونہء امتحانی سوالات

2.6 فرہنگ

2.7 سفارشی کتب

2.0 اغراض ومقاصد:

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلباء سے توقع کی جاتی ہے، کہ وہ جدید اردو شاعری کا تعارف کرائیں۔ اردو کی جدید شاعری اور جدید اردو شعرا کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔ جدید اردو شاعری کی تشریح کرتے ہوئے جدید شاعری کا عمومی جائزہ لیں۔

2.1 تمہید:

اس اکائی میں ہم ایک اہم موضوع "جدید اردو شاعری" سے آپ کو متعارف کرائیں گے۔ جدید اردو شاعری کے آغاز وارتقاء کا جائزہ لیں گے اور مجموعی طور پر جدید اردو شاعری پر سیر حاصل روشنی ڈالیں گے۔

2.3 جدید اردو شاعری تعریف اور ہیئت:

جدید اردو شاعری کا آغاز ۱۸۶۵ء میں لاہور میں انجمن پنجاب کے قیام کے بعد ہوا۔ اس انجمن کے محرک اور رہنما ڈاکٹر جی۔ ڈبلیو، لائٹز تھے، جو گورنمنٹ کالج لاہور اور اورینٹل کالج کے سربراہ کی حیثیت سے اور اپنے بے شمار علمی تصانیف کی بنا پر ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے ہندوستان کی حکومت ہی نہیں بدلی بلکہ مغرب اور مشرق کا جو اقتدار انگریزوں کی آمد سے ہندوستان میں جاری تھا، اس میں مغرب کی فتح نمایاں ہوگئی، تہذیبی اور معاشرتی روایات میں ایک تغیر نظر آنے لگا، سائنسی نظام کے ساتھ ساتھ صنعتی نظام ہندوستان پر قبضہ جمانے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک متوسط طبقہ سوسائٹی یا سماج میں جنم لینے لگا، اس طبقہ کے خیالات اور تصورات دوسروں سے الگ تھے، زندگی کا تصور بھی اوروں سے مختلف تھا، چنانچہ جلد ہی زندگی کی قدریں بھی بدلنے لگیں اس کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور معاشرتی زندگی میں بھی تبدیلیاں آگئیں۔

۱۸۶۷ء میں اپنی ایک تقریر میں مولانا محمد حسین آزاد نے اُردو کے شاعروں اور ادیبوں کو زندگی کی نئی ضرورتوں کا احساس دلایا، اور ان سے اپیل کی کہ شاعری کو بھی زمانے کے ساتھ ساتھ تبدیل کرنا چاہیئے، اس سلسلہ میں کوئی نمایاں اور باقاعدہ کام ۱۸۷۶ء کے بعد ہی کیا جاسکا، لیکن محمد حسین آزاد اس عرصہ میں بھی غافل نہیں تھے، ان کا یہ انجمن پنجاب کا قائم کرنا بہت بڑا کارنامہ تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ علوم مفیدی کی اشاعت ہو، ادبی اور سائنٹفک دلچسپی کے مضامین اور مباحث پر گفتگو ہو۔ اردو شاعری عشق کی سرحدوں میں گھر گئی تھی۔ حیات و کائنات کے دوسرے موضوعات کی طرف بھی توجہ کی جانے لگی، ۱۸۶۷ء میں مولانا محمد حسین آزاد نے عصری ضرورتوں کو محسوس کر کے لاہور میں "انجمن پنجاب" کی بنیاد ڈالی جس کے تحت ایسے مشاعروں کا انتظام ہوا جس میں عشقیہ غزلوں کے علاوہ دوسری نظمیں لکھی اور پڑھی جانے لگی۔ آزاد نے یہ قاعدہ بھی مقرر کیا کہ غزل کے کسی

مصرعہ کوطرح کا مصرعہ مقرر کردینے کے بجائے عنوانات مقرر کئے جائیں۔ سب شاعر مشاعرے میں مقررہ عنوان پر اپنی اپنی نظمیں لکھ کر سناتے تھے، اسی طرح غزل سے ہٹ کر نظمیں لکھنے کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا گیا، اس اہم کام میں جن لوگوں نے آزاد کی مدد کی وہ پنجاب کے ناظم تعلیمات کرنل ہالرائڈ اور الطاف حسین حالی ہیں۔ کرنل ہالرائڈ کو ہندوستانی ادب سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ اردو ادب میں ایسی نظمیں چاہتے تھے جو انگریزی کی طرح مناظرِ قدرت اور عام موضوعات پر لکھی گئی ہوں، اور کچھ عجب نہیں کہ ان کے ماتحت کام کرتے ہوئے آزاد کو اردو نظم میں اس تبدیلی کا احساس انہیں کے سمجھانے سے پیدا ہوا ہو، بہر حال اس انجمن کے مشاعروں کو کامیاب بناتے اور اپنے ذاتی اثر سے اردو میں اس نئی تحریک کو آگے بڑھانے میں کرنل ہالرائڈ نے بڑی مدد کی۔ حالی کی اس نئی تحریک میں شرکت اسی وجہ سے زیادہ اہم ہے کہ وہ قدیم رنگِ سخن کے مسلم الثبوت استاد تھے، اور ان کے لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پرانے طرز کی شاعری میں یہ نام پیدا نہیں کر سکے اس وجہ سے نئے طرز کے شاعر بن گئے۔

جدید شاعری کے مشاعرے مبالغہ، تصنع، لفاظی اور بے جا استعارہ کے خلاف ایک واضح ردعمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ سرسید احمد خان کے زمانہ میں شعور کو جو اہمیت ملی تھی اس کا ایک فطری تقاضا یہ تھا کہ شاعری کو بھی فطرت کے مطابق ہونا چاہیئے۔ آزاد کی نظموں میں خیالات کو حقائق اور واقعات کے مطابق ڈھالنے کی شعوری کاوش نظر آتی ہے۔ ہیئت کے اعتبار سے آزاد نے قدیم اصناف میں نئے تجربوں کو آزمایا اور مثنوی کے امکانات کا دائرہ وسیع کر دیا۔ انہوں نے اردو نظم میں ردیف اور قوافی ترک کرنے کا تجربہ بھی کیا۔ انجمن پنجاب کے دوسرے اہم شاعر حالی تھے۔ حالی نے اپنی نظموں میں صرف قدیم اور جدید رنگ کی پیوندکاری کی۔ موضوعات کی تبدیلی اور نئے خیالات سے اردو نظم کو جدیدیت کی ڈگر پر ڈال کر اسے نئی شاعری کا امتیازی نشان بھی بنا دیا۔

جدید شاعری میں جو چیزیں اس کو قدیم شاعری سے الگ کرنے والی ہیں وہ واقعیت، یا حقیقت پسندی (Realism) ہے۔ شعر وادب صرف اچھی اور بہترین چیزوں کے بیان کا نام نہیں بلکہ یہ زندگی کی ترجمانی ہے۔ زندگی میں کچھ اچھائیاں ہی نہیں کچھ برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ دوسرا فرق قدیم اور جدید شاعری کا یہ ہے کہ جدید شاعر مثالیت پسندی کے خلاف ہے، وہ چیزوں کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھنا چاہتی ہیں۔ سیاسی بیداری کے باعث جدید شاعری میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ سیاسی موضوعات نظموں اور غزلوں میں شامل ہوتے گئے۔

اُردو میں جدید شاعری کی ابتداء: جدید اردو شاعری کا بیج اس وقت سے بار آور ہونا شروع ہو گیا تھا، جب قدیم دلی کا شیرازہ بکھر گیا تھا، اور اسے لاہور منتقل کرنے کے بعد گورنمنٹ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ چنانچہ علم وادب کی وہ شمع جس نے قرون اول میں شمال سے جنوب کی طرف سفر کیا تھا اور دلی دکنی، کے زمانے میں جنوب اور شمال کی طرف مراجعت شروع کی تھی اب لاہور کی طرف روانہ ہو چکی تھی اس قافلے میں مولوی کریم الدین احمد، مولوی سید احمد دہلوی، الطاف حسین حالیؔ، پیارے لال آشوب، درگا پرشاد نادرؔ، اور محمد حسین آزاد جیسے ادبا شامل تھے، ان میں محمد حسین آزاد کو اولیت واہمیت حاصل ہے انہوں نے اردو زبان کی پیدائش کا نظریہ پیش کیا اور اس زبان کا ماخذ برج بھاشا کو قرار دیا۔ غزل کی مقبولیت کے دور میں اردو نظم کی ترویج اور شاعری کو چند محدود احاطوں کی قید سے نجات دلانے کا بیڑہ اٹھایا۔ محمد حسین آزاد نے ان نظریات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے 'انجمن پنجاب' کا پلیٹ فارم جسکی تنظیم کا سہرا ڈاکٹر لائٹز کے سر ہے۔ استعمال کیا اور ایک فعال ادبی تحریک پیدا کر دی۔

ڈاکٹر لائٹز ایک صاحب بصیرت، مستعد اور اولوالعزم مفکر تھے، لاہور میں جب گورنمنٹ کالج کا قیام عمل میں آیا تب انہیں اس کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ انجمنِ پنجاب کا اہم کام یہ تھا کہ اس نے مختلف مضامین پر ہفتہ وار مباحثوں کا سلسلہ جاری کیا اور اتنا کامیاب ثابت ہوا کہ اس کی بازگشت

سرکاری ایوان میں بھی سنی جانے لگی۔ اس کی ایک روشن مثال اورئینٹل کالج کی تجویز تھی جو انجمن پنجاب نے پیش کی، اور عوامی مطالبے کے بل بوتے پر اس کا قیام یقینی بنادیا، انجمن پنجاب کے جلسوں میں پڑھے گئے مضامین پر بحث ونظر کی عام اجازت تھی، دلچسپ بات یہ تھی کہ آزاد اپنے لئے "فقیر" کا اور اپنی کتابوں کے لئے "حقیر' کا بکثرت استعمال کیا ہے۔

آزاد کتابوں کی دنیا میں کھو گئے تو انہیں بیرونی دنیا سے کچھ زیادہ ربط نہیں رہا، چنانچہ انجمن پنجاب کے جلسوں اور ان کے مضامین کے بارے میں مخالفانہ رویہ بھی پیدا ہوا کہیں آزاد نے اس تنقید کا جواب لکھنے کے بجائے ان مخالفانہ خیالات سے استفادہ کرنے کی سعی کی اور یوں اپنی تخلیقی قوت کو مناقشات میں ضایع نہ ہونے دیا۔

آزاد اُردو زبان کے گرد کوئی جامد حصار باندھنے کے حق میں نہیں تھے، بلکہ اس کی ترقی اور فروغ کے لئے بدیسی زبانوں بالخصوص انگریزی سے استفادہ کے قائل تھے، آزاد کا یہ اقدام اس لے بھی خیال انگیز ہے کہ انگریزی علوم سے استفادہ کا رجحان انیسویں صدی کے اوائل میں ہی فروغ پانے لگا راجہ رام موہن رائے نے ہندوئں میں اور سر سید احمد خان نے مسلمانوں میں اس رجحان کی ترویج کے لئے تمام تر توجہ صرف کردی۔ آزاد کی اس ادبی تحریک میں کوئی سیاسی مقصد پوشیدہ نظر نہیں آتا۔

لاہور کے انجمن پنجاب کے مشاعروں نے الطاف حسین حالؔی کا ادبی مزاج بدلنے میں اتنا اہم کردار ادا کیا کہ وہ بالآخر 'مسدس" مدو جزر اسلام" جیسی مربوط اور اثر انگیز طویل نظم لکھنے پر قادر ہو گئے، حالؔی انجمن پنجاب کے کامیاب اور مقبول شعرا میں سے تھے۔ اُردو نظم کا فروغ تحریک انجمنِ پنجاب کا غالب پہلو تھا اس تحریک سے پہلے نظیر اکبر آبادی نے اردو نظم کے آغاز وارتقاء میں ایک اہم رول انجام دیا تھا۔

آزاد اور حالؔی کے کامیاب شعری عمل نے ہندوستان کے بیشتر شعرا کو نظم نگاری کی طرف

راغب کیا اور نظم نگاری کے وسیع امکانات کا احساس دلا دیا۔ چنانچہ قومی اور تعلیمی مقاصد کے لئے جو لوگ اردو نظم کی طرف متوجہ ہوئے ان میں اسمٰعیل میرٹھی، شبلی نعمانی، اور اکبر الہ آبادی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ بعد میں سرورؔ جہاں آبادی، عزیز لکھنوی، نادر کاکوروی، نظم طبا طبائی وغیرہ نے اپنے تجربوں سے مزید چمک دمک عطا کی۔

اُردو کے چند جدید شاعر:

انجمن پنجاب کے اغراض و مقاصد کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قدیم مشرقی علوم کے احیاء کو اولیت کا درجہ دیا گیا۔ باالفاظ دیگر انجمن پنجاب نے تحقیق و تنقید اور تصنیف و تالیف کی جو طرح ڈالی تھی وہ محرور و ایام کے ساتھ مردہ نہیں ہوئی بلکہ صداقت یہ ہے کہ اورئینٹل کالج لاہور نے اسی روایت کو آگے بڑھایا۔

مولانا محمد حسین آزاد نے انجمن پنجاب، لاہور کے مشاعرون کا آغاز کیا۔ سب سے پہلا مقصدی مشاعری ۱۸۶۷ء میں ہوا۔ اس انجمن کے روح رواں محمد حسین آزاد ہی تھے۔ ان کا ساتھ الطاف حسین حالؔی نے دیا، موضوعی نظم لکھنے کا اولین تجربہ مولانا آزاد ہی کی دین ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آزاد سے پہلے تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ محمد قلی قطب شاہ میر حسن، دیا شنکر نسیم کے علاوہ نذیر اکبر آبادی نے بھی نظم نگاری کی طرف توجہ دی۔ ہندوستان کے میلوں، تیوہاروں، اور تقریبوں پر ان شعرا کی نظمیں موجود ہیں۔ اس کا آخری پڑاؤ بھی لاہور میں ہوا جہاں انجمن پنجاب کی تحریک پر آزؔاد اور حالؔی نے اسے حیات نو بخشی۔ اُردو نظم کی دوسری شکل مقدمے کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

تاریخی اعتبار سے نظیر اکبر آبادی دکن کی ارضی روایت کی درآور توسیع ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے اُردو نظم کا جو ڈھانچہ مرتب کیا تھا اسے ارتقاء کی اگلی منزل تک آزاد نے پہنچایا۔ آزؔاد کی نظمیں انجمن پنجاب کے دستور المقاصد کا تخلیقی اظہار ہیں، ان نظموں میں خیالات کو حقائق اور واقعات کے مطابق

ڈھالنے کی شعوری کاوش نظر آتی ہے۔ حاؔلی کے ہم عصر حالی کی اس تحریک سے اتنے متاثر ہوئے کہ انہوں نے اپنی نظموں میں صرف قدیم اور جدید رنگ کی ہنر مندانہ پیوند کاری ہی نہیں کی بلکہ موضوعات کی تبدیلی اور نئے خیالات سے اُردو نظم کو جدیدیت کی ڈگر پر ڈال کر اسے نئی شاعری کا امتیازی نشان بنا دیا۔ حاؔلی کی قادر الکلامی نے جدید شاعری کو مزید پروان چڑھا، لاہور کے مشاعروں ہی سے حاؔلی کا مزاج بدلنے لگا بالآخر وہ اُردو کی معرکتہ الآرا نظم مسدس مدو جزر السلام لکھنے پر قادر ہو گئے۔ انجمن پنجاب کے مشاعروں سے اُردو نظم میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کے بعد کے دور کے شعرا میں اسمٰعیل میرٹھی، شبلی نعمانی اور اکبر الہ آبادی کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

حاؔلی کی سنجیدگی اور اکبر الہ آبادی کا امتزاج لطیف شبلی کی نظم نگاری کی صورت میں سامنے آیا، اُردو نظم کی زیرِ بحث تحریک میں شبلؔی کا عطا کردہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے موضوعات کو داخلی آنچ سے پگھلانے کی کوشش کی اور جذبے کی وہ لہر جو حاؔلی اور آزؔاد کی شاعری میں نسبتاً مدھم ہے شبلی کی شاعری میں تیز نظر آتی ہے۔

متزکرہ بالا شعرا نے اُردو نظم میں شعور کی نئی معنویت سمونے کی کوشش کی اور لفظ کے گرد مقصدیت کا افادی دائرہ بن دیا۔ چنانچہ اس نو دریافت راستے کو سرؔور جہاں آبادی، عزیز لکھنوؔی نادر کوکوروی، نظم طباطبائی اور غلام بھیک نیرنگ نے اپنے تجربوں سے مزید جگمگانے کی کوشش کی حتیٰ کہ بیسویں صدی میں اقبال کا ظہور ہوا تو انہوں نے فطرت اور احساس جمال فطرت کی گم شدہ کڑیوں کو تلاش کیا اور اُردو نظم کو رفعت خیال اور اوج تفکر عطا کر دیا۔ ۱۹۴۷ء سے اب تک اُردو شاعری اپنی عمر کے بیس سال کے قریب طے کئے اس دور میں ایک ٹھہراؤ بھی پیدا ہوا، اور ایک نیا اٹھان بھی آج کی اس پوری جدید شاعری میں بلاشبہ ایک عدم اطمینان اور بے چینی کی رو ملتی ہے، جو کبھی کبھی گھٹن میں بدل جاتی ہے۔

2.4 خلاصہ:

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد حالات اس طرح بدل گئے کہ اس انداز کی شاعری کے لئے جو محض ایک تفریحی مشغلہ ہو کر رہ گئی تھی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی فنی نقطۂ نظر سے ایسی شاعری میں نہ مضمون کی تازگی رہی اور نہ اسلوب کی جدت ۱۸۵۷ء کے آس پاس کے دور میں غالب، مومن، ظفر ایسے شاعر تھے جن کے کلام میں واقعی جان تھی، ان شعرا کو بلاشبہ اس دور آخر کی جدید شاعری کی آبرو کہا جاسکتا ہے۔

انجمنِ پنجاب کے مشاعروں میں ایک جدت رکھی گئی کہ بجائے طرح دینے کہ ہر مشاعرہ کے لئے ایک موضوع مقرر ہوتا اور شرکت کرنے والے شعرا غزل کی بجائے مسلسل نظم کہتے، آزاد اور حالی کے علاوہ مقامی شعرا نے بھی ان مشاعروں میں شرکت کی۔ مثنوی برکھارت، حالی کے کلام میں اس دور کی یادگار ہے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ، "مسدس مدو جزر اسلام" ہے جسے اُردو شاعری میں پہلی اور بڑی اور اہم قومی نظم کہا جاتا ہے، اس مسدس کی تحریک سرسید نے کی تھی۔ مسدس ایک تاریخی اور قومی نظم ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ یہ مسلمان قوم کا مرثیہ ہے۔ آزاد کے " مجموعہ نظم آزاد' میں ابتدائی مثنویاں وہی ہیں جو انجمن پنجاب میں پڑھی گئیں، آزاد کے ہم عصر شبلی نعمانی اس دور کی ایک اہم شخصیت ہیں۔ جب ۱۹۱۲ء میں جنگِ بلقان میں ترکوں پر مصیبت ٹوٹی تو مولانا شبلی نے اپنی نظم لکھی۔ شبلی کی مشہور سیاسی نظموں میں مسجد کانپور والی نظم بہت مشہور ہے۔ آزاد، حالی اور شبلی کے بعد اکبرالہ آبادی اپنے دور کے ممتاز شاعر ہیں۔ طنز ومزاح کے پردے میں انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اردو کے محبّ وطن شعرا میں پنڈت برج نرائن چکبست کا نام بھی آتا ہے۔ اسی دور کے جدید شعرا میں عظیم شاعر اقبال کا نام بھی اُبھرتا ہے، اس عہد کے ایک اور نامور شاعر مولانا ظفر علی خان ہیں جو ایک شاعر، صحافی اور انشاء پرداز کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ اردو کے جن اکابر شعرا نے دور

جدید میں نظم کی روایت کو پروان چڑھایا ان میں جوشؔ ملیح آبادی کا نام بھی شامل ہے، اس دور کے شعرا میں اسمٰعیل میرٹھی کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، اس کے بعد کے شعرا میں ایک قابل ذکر نام درگاہ سہائے سرورؔ جہاں آبادی کا ہے وہ ایک فطری شاعر تھے، ان کے موضوعات میں ایک طرف حب الوطن کا جذبہ ہے جس سے وہ سرشار ہیں، دوسرے ہندو مسلم اتحاد ہے۔

2.5 نمونہء امتحانی سوالات:

۱۔ جدید اردو شاعری کے آغاز وارتقاء پر ایک نوٹ لکھیے۔

۲۔ چند ممتاز جدید اردو شعرا کا تعارف کروائیے۔

ان سوالوں کے جواب 2.2 اور 2.3 میں ملاحظہ کریں۔

2.6 فرہنگ:

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ارتقاء	ترقی، اوپر چڑھنا، بتدریج نشو ونما		
سربراہ	منتظم، مہتمم	تصادم	ٹکراؤ
مباحث	بحث کی جمع	موضوعات	موضوع کی جمع، عنوان
تصنّع	بناوٹ	مبالغہ	کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا
ڈگر	چال		
بارآور	پھل لانے والا، پھلدار	شیرازہ	انتظام
صاحبِ بصیرت	نظر رکھنے والے	متعد	چوکس

بل بوتے	برتے، زور، طاقت	ماخذ	اصل
ادبا	لکھنے والے، ادیب کی جمع	عملی جامہ	روبہ عمل لانا
مداحبت	واپس کرنا، لوٹنا	قرونِ اول	پہلے ہی سے
سہرا	کامیابی، وہ نظم جو سہرا بندھنے کی تقریب میں پڑھی جائے۔		پاس رہنے والا
فعال	متعد، Active	بیڑہ اٹھانا	ذمہ لینا
استفادہ	فائدہ حاصل کرنا	حصار	احاطہ بندی
جامد	جس پر جمود طاری ہو، ٹھہراؤ	احیاء	حی کی جمع، زندہ لوگ
راغب کرنا	متوجہ کرنا، ترغیب دینا	حیاتِ نو	نئی زندگی
ارض	زمین	سماں	آسمان
قادرالکلام	گفتگو پر قابو	جدّت	نیاپن، ندرت

2.7 سفارشی کتب:

۱۔ جدیدیت اور ادب — پروفیسر آل احمد سرور

۲۔ آج کا اُردو ادب — ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

اکائی 3 جدید ناول

ساخت:

3.0 اغراض و مقاصد

3.1 تمہید

3.2 جدید ناول، تعریف اور ہئیت

3.3 اُردو میں جدید ناول کی ابتداء

3.4 جدید ناول کے چند ممتاز ناول نگار

3.5 خلاصہ

3.6 نمونہ امتحانی سوالات

3.7 فرہنگ

3.8 سفارشی کتب

3.0 اغراض و مقاصد:

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلباء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ صنفِ ناول کا تعارف کرائیں اُردو کے جدید ناول اور ناول نگاروں کے بارے میں تفصیل سے بتائیں، جدید اُردو ناول کی تشریح کرتے ہوئے اسی کا عمومی جائزہ لیں۔

3.1 تمہید:

اس اکائی میں ہم ایک اہم نثری صنف "ناول" سے آپ کو متعارف کرائیں گے۔ جدید ناول

کے آغاز وارتقاء کا جائزہ بھی پیش کریں گے، اور مجموعی طور پر جدید ناول کا عمومی جائزہ لیں، گے۔

3.2 جدید ناول تعریف وارتقاء:

اُردو ناول کی تاریخ پرانی نہیں ہے۔ ناول دراصل Novella سے مشتق ہے جو انگریزی کے توسط سے اُردو میں آیا۔ اس کا اطلاق نثر میں ایسے قصوں پر ہوتا ہے جس میں ایک واضح اور منظّم پلاٹ ہو۔ اور جس میں خیالی کہانیون کے بجائے زندگی کے مسائل، معاملات اور واقعات بیان کئے جائیں، جو نہ تو داستانون کے جتنا طویل ہو کہ ایک داستان لکھنے کے لئے کئی مصنفین کی ضرورت ہو اور نہ اتنا مختصر ہو کہ چائے کی ایک پیالی پر پڑھا اور لکھا جا سکے۔ انگریزی کا پہلا ناول نگار رچرڈسن ہے اس کا پہلا ناول "پامیلا" ہے، ڈپٹی نذیر احمد کو اُردو کا پہلا ناول نگار کہا جاتا ہے، چند ایک نقادوں کو اس میں تامل ہے "مراۃ العروس" اردو کا پہلا ناول ہے۔

جس طرح ادب تفسیر حیات ہے تنقید حیات ہے، اُسی طرح ناول مطالعہ حیات ہے۔ ناول ایک ایسی صنف ہے جس میں ناول نگار اپنے تخیلات کا اظہیار بذریعہ تحریر کرتا ہے، چونکہ اسی سے اظہار، زبان و بیان کی بے پناہ وسعت ہے، اسلئے یہ فن دیگر فنون سے بالاتر ہے۔ ناول زندگی سے پیدا ہوتا ہے، اور وہ عوامل فن سے ناول پیدا ہوتا ہے، زندگی ہی سے متعلق ہوتے ہیں، ادب کے بہت سے اصناف ہیں جیسے شاعری، مضمون نگاری، ڈرامہ، افسانہ، تحقیق، اور تنقید وغیرہ مگر ناول کا فن مذکورہ تمام اصناف سے جداگانہ ہے اور بہتر بھی۔ یعنی ناول اصناف ادب میں ہی نہیں بلکہ فنون لطیفہ میں بھی منفرد و ممتاز ہے۔

تمام اصنافِ سخن میں ناول کا فن ہی ایسا ہے جو وقت کے اہم تقاضوں کو محسوس کرتا ہے بلکہ بدلتے ہوئے سماج میں عصری حسیت کا ترجمان بن جاتا ہے، اس لئے ناول کا مقام دوسرے اصنافِ

سخن سے بلند ہے۔

موجودہ دور کی جدید ناولیں ،فنِ ناول نگاری میں اہمیت کی حامل اس لئے ہیں کہ اس میں پیش کیا جانے والا کوئی بھی پہلو چاہے وہ سماجی ہو یا معاشرتی ہو، معاشی ہو یا تہذیبی ، سیاسی ہو یا ادبی صحت مند نظریہ کا حامل ہے۔

گزرتے ہوئے زمانے کے ساتھ جدید ناول کا مقام روز افزوں اونچا ہوتا جائیگا، اسی لئے آج کے ناول میں گزرتے وقت کی بازگشت اور آنے والے وقت کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے، تمام اصناف ادب کے فنکارون میں ناول نگار کے یہاں عصری حیت اور سماجی شعور بتدریج موجود ہے، جب وقت کے تقاضے بدلتے ہیں سماجی ڈھانچہ بدلتا ہے اور وہ بدلتے وقت کو اپنے ناول میں پیش کرتا ہے۔

3.3 اُردو میں جدید ناول کی ابتداء:

ڈپٹی نذیر احمد سے اب تک اُردو ناول نے جو ترقی کی ہے اس کی تلاش یا مطالبہ نذیر احمد کے یہان زیادتی ہے ان کے سامنے اُردو میں کوئی ایسا نثری قصہ نہ تھا جو ان کی رہبری کرتا، یا جس کی اصلاح سے بھی انہیں اپنا راستہ تلاش کرنے میں آسانی ہوتی۔ میر امن کی 'باغ و بہار' اس عہد کا مقبول ترین نثری قصہ تھا لیکن بقول سرسید احمد خان اس کی حیثیت اس کہانی سے زیادہ نہ تھی جو ایک پوپلی بڑھیا، بچوں کو سلاتے وقت ان کو سناتی ہے ایک صدی گزر جانے کے باوجود اس کتاب کی خوبی و شہرت متاثر نہیں ہوتی۔

کہا جاتا ہے کہ ناول میں ناول نگار کی شخصیت کا گہرا پرتو ہونا چاہئے ،نذیر احمد نے اُردو ناول اُردو میں اس اعتبار سے ایک نیا تجربہ کیا، ان میں پہلی مرتبہ محض دلچسپی اور تفریح کے مقصد کو نظر انداز

کر کے ایک مسئلہ کو موضوع بنایا ہے ۔ دنیا داری یا دین داری کی بحث، تربیت، اولاد کا مسئلہ ہو یا لڑکیوں کے علم کا، مغرب اور مشرق کے نظریات اور تہذیبی عناصر وعوامل کی کشمکش ہو یا دو بیویوں کے رکھنے کا مسئلہ ڈپٹی نذیر احمد کے قصے مسائل کے محور پر ہی گردش کرتے ہیں۔

نذیر احمد کے معاصرین میں بعض ان کے زیر اثر اور بعض بالواسطہ اس نئی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں۔ دوسرا ناول نگار پنڈت رتن لال سرشار ہے جنہوں نے اپنے ناول "فسانہء آزاد" کو اودھ اخبار میں قسطوں میں شائع کرنا سروع کیا اور وہ کامیاب رہے، عبدالحلیم شرؔر تاریخی ناول کے بانی ہیں۔ بعض ناول شرر نے ایسے بھی لکھے ہیں جو تاریخی نہیں خالص مقصدی کی ناول ہیں، بدر النساء کی مصیبت" آغا صادق کی شادی "اور دربار حرام پور اس کی مثالیں دیں ہیں، منشی سجاد حسین بھی اودھ پنچ کے حلقہ سے تعلق رکھتے تھے، انہوں نے بھی اردو میں اچھے ناول لکھے ہیں، مرزا محمد ہادی رسوؔا "امراؤ جان" کے مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں، انہوں نے کئی اور ناول بھی لکھے اور وہ شاعر بھی ہیں۔ امراؤ جان ادا، ادبی حیثیت سے رسوا کا اعلیٰ درجہ کا ناول سے رسوا کی طرح قاضی سرفراز حسین نے بھی اسی انداز کے ناول لکھے ایک اور ناول نگار مرزا محمد سعید ہیں، اسی دور کے ایک ممتاز ناول نگار کا نام راشد الخیری ہے، لڑکیوں کی تعلیم تہذیب کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا، منشی پریم چند اردو ناول کی تاریخ میں ایک اہم نام ہے۔ بعد کے ناول نگاروں میں سجاؔد ظہیر، جگر، نذؔیر احمد، عصمت چغتائی، کرشن چندر، مرزا عظیم بیگ چغتائی، قرۃ العین وغیرہ۔

3.4 جدید ناول کے چند ممتاز ناول نگار:

ڈپٹی نذیر احمد کو اردو کا پہلا ناول نگار کہا جاتا ہے۔ نذیر احمد سے اب تک اُردو ناول نے جو ترقی کی ہے اور اس میں جو فنی نکھار پیدا ہوا ہے، اس کی تلاش یا مطالبہ نذیر احمد کے یہاں زیادتی ہے، اُن

کے سامنے اُردو میں کوئی ایسا ای نثری قصہ نہ تھا جو ان کی رہبری کرتا یا جس کی اصلاح سے انہین اپنا راستہ تلاش کرنے میں آسانی ہوتی۔

نذیر احمد کے ناول اُردو میں اس اعتبار سے ایک نیا تجربہ کی میں پہلی مرتبہ محض دلچسپی اور تفریح کے مقصد کو نظر انداز کر کے ایک مسئلہ کو موضوع بنایا گیا ہے، وہ مسئلہ ہے لڑکیوں کی تعلیم کا، تربیت اولاد کا، دنیاداری یا دین داری کی بحث کا، نذیر احمد کے بعض معاصرین ان کی تحریروں سے متاثر ہوئے جس میں شاد عظیم آبادی قابل ذکر ہیں، نذیر احمد کے بعد دوسرا نام پنڈت رتن ناتھ سرشار کا ہے۔سرشارؔ نے اپنی زندگی کا آغاز اودھ اخبار کی ایڈیڑی سے کہا اسی اخبار میں انکا مشہور ناول "فسانہء آزاد" بالاقساط چھپا، جام سرشار، سیر کہا، چنچل نر، پی کہاں جیسے، دل بھی سرشاعر نے لکھے ہیں لیکن کی شہرت کا دارومدار بڑی حد تک فسانہء آزاد پر ہے۔

رتن ناتھ سرشار کے بعد عبدالحلیم شررؔ کا نام لیا جاتا ہے، شررؔ نے تاریخی ناول لکھے۔ان کو تاریخی ناول کا بانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔منشی سجاد حسین اودھ پنچ کے روح رواں تھے، یہ اخبار ہی نہیں ایک ادارہ تھا۔اودھ پنچ کے منشی سجاد حسین ایڈیٹر تھے ان کی ظرافت طبع کا اندازہ ان کے دو ناولوں حاجی نعلول اور احمق الدین سے ہوتا ہے۔

مرزا محمد ہادی رسوا "امراؤ جان ادا" کے مصنف کی حیثیت سے مشہور ہیں، انہوں نے اردو میں کئی اور ناول بھی لکھے ہیں اور شاعری بھی کی ہے۔امراؤ جان ادا کو اردو کا پہلا کامیاب ناول قرار دیا جاسکتا ہے۔اسی انداز کے ایک اور ناول نگار قاضی سرفراز حسین ہیں، انہوں نے مرزا رسواؔ کے انداز میں ناول لکھے ہیں جو تعداد میں آٹھ ہیں۔اس دور کے ایک اور ناول نگار مرزا محمد سعید ہیں جن کے ناول توبۃ النصوح اور بنات النعش کے سلسہ کی کڑیاں ہیں۔ نذیر احمد راشد الخیری کے پھوپا تھے۔انہوں نے نذیر احمد کی طرح لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کو اپنے ناولوں کا مقصد بنایا، اسی مرحلے پر

اردو ناول کی تاریخ میں منشی پریم چند کا داخلہ ہوتا ہے، پریم چند بلاشبہ انلووں میں ہیں جن کے ناولوں سے اُردو ادب میں ناول کے فن نے اعتبار پایا۔

پریم چند کے بعد ترقی پسند تحریکلے زیر اثر نئے رجانات اردو ناول میں شامل ہوئے ترقی پسند تحریک سے وابستہ ناول نگاروں میں سجاد ظہیر بھی شامل ہیں ان کا ناول 'لندن کی رات " اس دور کی مکمل عکاسی کرتا ہے اس دور میں ایک اور ناول "لیلیٰ کے خطوط " بھی بہت مقبول ہوا۔ یہ تکنیک کے اعتبار سے اُردو ناولوں میں ایک نیا تجر بہ تھا۔ اس کے مصنف قاضی عبد الغفار نے معاشرے پر تلخ اور گہرا طنز کیا ہے۔

عزیز احمد کا شمار بھی اُردو کے ممتاز ناول نگاروں میں ہوتا ہے، ان کے ناول "ہوس '، ، گریز، " آگ " ایسی بلندی ایسی پستی، اور شبنم، مشہور ہیں، عزیز احمد کے ناولوں میں جنسی عریانی کی جھلکیاں نظر آتی ہین ان ہی کی ہمعصر عصمت چغتائی نے بڑی شہرت یا رسوائی حاصل کی عصمت چغتائی کے ناول 'ضدی "، " ٹیڑھی لکیر "، 'معصومہ "، 'اور "رسوائی '، شامل ہیں، کرشن چندر اور عصمت چغتائی دونوں کو معلوم ہے کہ جنس، فن اور ادب کا ایک اہم موضوع رہا ہے، عصمت چغتائی کے ناولوں میں سب سے زیادہ شہرت ان کے ناول " ٹیڑھی لکیر " کو حاصل ہوئی۔

کرشن چندر اردو ناول کے دور جدید میں بڑی شہرت کے مالک ہیں، ایک اور ناول نگار ایم اسلم بھی ہیں، جن کے ناولوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اردو کے موجودہ ناول نگاروں میں ایک اہم نام ڈاکٹر احسن فاروقی کا ہے انہوں نے شام اودھ، رہ رسم آشنائی، آبلہ دل کا، رخصت ایسے زنداں اور سنگم جیسے پانچ ناول لکھے۔

قرۃ العین حیدر دورِ حاضر کی ایک ممتاز ناول نگار ہیں، ان کی شہرت خاص طور پر ناول کے اس جدید رجحان کی ترجمانی کی بنا پر ہے جسے "شعور کی رو" کہا جاتا ہے، یہ رجحان اردو میں مغربی ماحول

کے زیر اثر آیا ہے۔ دور جدید میں فضل احمد کریم فصلی نے "خونِ جگر" کے عنوان سے اچھا ناول لکھا ہے۔ خدیجہ مستور ایک افسانہ نگار کی حیثیت سے متعارف ہیں، ان کا ایک اچھا ناول 'آنگن' ہے اس کے پس منظر میں لکھنو کی تہذیب اور واقعات کا تانا بانا، شوکت صدیقی کا ناول "خدا کی بستی" ایک طنز یہ ناول ہے، جس پر انہیں آدم جی کا ادبی انعام ملا تھا، جمیلہ ہاشمی کا تلاش بہاراں، عبداللہ حسین کا ناول، اداس نسلیں، رضیہ فصیح احمد کا آبلہ پا، ممتاز مفتی کا "علی پور کا میلا' اور جیلانی بانو کے ناول ایوان غزل جدید ناول کے دور کی نمائندگی کرتے ہیں۔

3.5 خلاصہ:

ناول ایک جدید صنف ہے مختلف اصناف زمانے کے تقاضون کے مطابق اُبھرتی اور ختم ہوتی ہیں۔ داستان کے ختم ہونے کے بعد ناول کو فروغ حاصل ہوا۔ ناول میں ایک مانوس دنیا یعنی ایسی زندگی جو حقیقی زندگی سے مشابہ ہو پیش کی جاتی ہے، اس کے کردار اور پوری فضا ایسی ہوتی ہے جس سے ہم اپنی حقیقی زندگی میں دوچار ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں، اس لئے ناول کی جتنی بھی تعریفیں کی گئی ہیں ان سب میں ناول کی ایک اہم خصوصیت کو سامنے رکھا گیا ہے، امریکہ کے مشہور ناول نگار نیری جیمس نے ناول کی تعریف یوں کی ہے "ناول کا زندگی پر راست اور سبھی اثر ہوتا ہے، " کسی نے ناول کے بارے میں یہ کہا ہے کہ "یہ زندگی کی شبیہ یا تصویر ہے' ناول کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ وہ ہمیں مانوس اور حقیقی دنیا سے متعارف کراتا ہے، ناول کے تعلق سے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ایسے کرداروں کو پیش کرتا ہے، جو حقیقی زندگی میں ملتے ہیں، یا مل سکتے ہیں، بہر حال ناول کی ہر تعریف میں اسی بات پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ ایک ایسا نثری قصہ ہے جو مسبوط انداز میں حقیقی زندگی کو پیش کرتا ہے۔

ناول کے عناصر ترکیبی حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) کہانی (۲) پلاٹ (۳) کردار (۴) مکالمے (۵) زمان ومکاں یا پس منظر (۶) نظریہ حیات یا زوایہ نگاہ (۷) اسلوب۔

ان عناصر میں کوئی کمزور یا مناسب نہ ہوتو قصہ ناول کے زمرے سے خارج نہیں ہوسکتا۔ انگریزی کی مشہور ناول نگار ورجینیا وولف کے کہنے کے مطابق ناول کی صنف شتر مرغ کی طرح ہر چیز کو ہضم کر جاتی ہے، اس صنف میں شاعری، فلسفہ، تہذیب، معاشرت، نفسیات، غرضیکہ کوئی علم وفن ایسا نہیں ہے جو بیان نہیں کیا جا سکتا، صرف یہ ہے کہ ان کو مانوس اور حقیقی زندگی کے مطابق رکھا جائے، ناول میں زندگی کی سی وسعت ہے، یہ صنف ادب ایسی لچک اور وسعت رکھتی ہے کہ زندگی کو اس میں وسیع ترین اندز میں پیش کیا جا سکتا ہے اس لئے پلاٹ میں جھول ہو، یا پلاٹ جیسا کہ چاہیئے مربوط نہ ہوتو کسی قصے کو ناول کی صنف سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ناول میں چند یا کئی کرداروں کو لے کر ان کی زندگی کے ارتقا، ان کی زندگی میں پیش آنے والے مختلف واقعات کو مسبوط انداز میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ اسی میں ضمنی واقعات ہو سکتے ہیں لیکن وہ بھی مرکزی کرداروں سے مربوط ہوتے ہیں۔ داستان میں الگ الگ قصے ہوتے ہیں اور ہر قصے کے الگ الگ کردار ہوتے ہیں اس لئے زندگی کا کوئی، گہرا، اور مجموعی تاثر پیدا نہیں کرتے، پھر داستان میں جو زندگی پیش ہوتی ہے، وہ خیالی اور تصوری اور حقیقی زندگی سے بہت دور ہوتی ہے، ناول میں اسی کے برعکس حقیقی زندگی کے تاثر کو ہی پیش کرنا سب کچھ ہوتا ہے اس لئے کسی قصے کو ناول کی صنف میں شامل کرنے کے لئے صرف دو باتوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ وہ کسی حقیقی زندگی یعنی کسی خاص زماں ومکاں اور اس کے مسائل کو پیش کرتا ہے یا نہیں، دوسری بات یہ ہے کہ اس کا مرکزی قصہ اور اس کے کردار شروع سے آخر تک ایک ہیں یا نہیں۔ ان دو شرطوں کو پورا کرنے والا قصہ ناول ہی کہلائے گا۔

ناول کا مقام تمام فنون لطیفہ میں ادب کے تمام اصناف میں بلند ہے، اور گذرتے وقت کے ساتھ بلندتر ہوجائیگا۔ زندگی کی مختلف النوع صورت حال ناول کے لئے نئے نئے موضوعات سامنے لائے گی اور نئے اندازِ فکر کے ساتھ نیا ناول سامنے آئیگا۔ سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں جب کہ ہم اکیسویں صدی میں قدم رکھ رہے ہیں اُردو جدید ناول اپنے نئے امکانات اور نظریات کے ساتھ عالمی ادب کے مناظر میں اپنا کردار ادا کرتا رہے گا۔

3.6 نمونہ امتحانی سوالات:

۱۔ اُردو میں ناول نگاری کے آغاز وارتقاء کے بارے میں ایک نوٹ لکھئے۔

۲۔ جدید ناول نگاری کا عمومی جائزہ لیجئے۔

۳۔ چندممتاز جدید ناولنگاروں کا تعارف کروائیے۔

3.7 فرہنگ:

لفظ	معنی	لفظ	معنی
مشتق	ولفظ وکسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو۔		
ناول	عجیب، انوکھی، نادر چیز Novel، ناولٹی		
توسط	دریقہ	اطلاق	رواں کرنا
عصری حیت	عہد یا زمانے کے بارے میں واقفیت		جاری کرنا
ترجمان	شارح، وہ شخص جو دو مختلف زبانوں کے بولنے والے افراد کے درمیان رابطہ کا کام کرے		

اصنافِ سخن	انواع، قسمیں، صنف کی جمع	بازگشت	واپسی، لوٹنا
بدرجہ ءاتم	فطری لحاظ سے، قدرتاً	پرتو	سایہ
رجحانات	رجحان کی جمع	رسوائی	بدنامی
زمرے	جماعت، ساتھی، بھیڑ	زندان	قید، جیل
شعور کی رو	Stream of Consciousness		
اصناف	صنف کی جمع، قسمیں	فروغ	ترقی دینا
مانوس	راغب، لید، مرغوب	مشابہ	ہمشکل
مبوط	پھیلا ہو، کشادہ، فراخ	مربوط	لگا ہوا، بندھا
ضمنی	اشارۃً، کنایۃً	زماں ومکاں	زمانہ، وقت
مختلف النوع	مختلف اقسام کی	شبیہہ	تصویر
زمرے	جماعت، ساتھی، بھیڑ	وسعت	کشادہِ دور
نظریات	نظریہ کی جمع	اسلوب	طرز، طریقہ،

3.8 سفارش کردہ کتابیں:

ا۔ اُردو ناول کی تنقید و تاریخ — محمد احسن فاروقی

۲۔ بیسویں صدی میں اُردو ناول — پروفیسر یوسف سرمست

۳۔ اُردو ناول پریم چند کے بعد — ڈاکٹر ہارون ایوب

اکائی 4 جدید اُردو افسانہ

ساخت

4.0 اغراض ومقاصد

4.1 تمہید

4.2 جدید افسانہ،تعریف اور ہیت

4.3 اُردو میں جدید افسانہ کی ابتداء

4.4 جدید افسانہ کے چند ممتاز افسانہ نگار

4.5 خلاصہ

4.6 نمونہ امتحانی سوالات

4.7 فرہنگ

4.8 سفارشی کتب

4.0 اغراض ومقاصد:

اس اکائی کے پڑھنے کے بعد طلباء سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ صنف "افسانہ" کا تعارف کرائیں، اُردو کے جدید افسانہ اور افسانہ نگار کے بارے میں تفصیل سے بتائیں، جدید اُردو افسانہ کی تشریح کرتے ہوئے جدید افسانہ کا مجموعی جائزہ لیں۔

4.1 تمہید:

اس اکائی میں ہم ایک اہم نثری صنف "افسانہ" سے آپ کو متعارف کرائیں گے۔ جدید

افسانہ کے آغاز وارتقاء کا جائزہ بھی پیش کریں گے۔

4.2 افسانہ تعریف اور ہئیت :

اس جدید مشینی دور کی عدیم الفرصتی نے صنف افسانہ کو جنم دینے میں سب سے بڑا کردار ادا کیا ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ مشہور افسانہ نگار "اڈگر ایلین پو" افسانہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے، "یہ وہ کہانی ہے جو آدھ گھنٹہ سے لیکر ایک یا دو گھنٹے کے اندر پڑھی جا سکے"۔ وہ اختصار وقت کے اس عنصر پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ 'ایزی وی' نے بھی افسانہ کی تعریف کرتے ہوئے اختصار کے اسی عنصر پر زور دیا ہے مگر اس کے ساتھ وہ تکنیک کو بھی اہمیت دیتا ہے۔

جدید اُردو افسانہ ناول سے طول کے علاوہ تکنیک میں بھی مختلف ہے، افسانہ زندگی کے صرف ایک پہلو کو اُجاگر کر سکتا ہے، جبکہ ناول زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بہ یک وقت پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ افسانہ اور ناول میں وہی فرق ہے جو غزل کے ایک شعر اور ایک نظم میں ہے، دوسری طرف افسانہ ڈرامہ سے اپنی تکنیک سے بہت حد تک قریب ہوتے ہوئے اس لحاظ سے متفرق ہے کہ ڈرامہ نگار مکالموں، مناظر اور صوتی مناظر، اشارات کی مدد سے وہ سب کچھ کہہ سکتا ہے، جسے کہنے کے لئے افسانہ نگار کو محض عبارتوں کے تسلسل پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے۔

منشی پریم چند کا اُردو کا غیر متنازعہ پہلا افسانہ نگار ہے، پریم چند کے افسانوں میں بھی تصوریت اور حقیقت نگاری کا امتزاج ملتا ہے، یہ صحیح ہے کہ ان کے یہاں حقیقت نگاری کی لے بہت زیادہ تیز اور نمایاں ہے تاہم ماضی سے ان کا لگاؤ، انفرادیت پرزور، روحانیت پر عقیدہ اور ہندوستانی عورت کی پتی ورتا کا بیان یہ سب کچھ ان کے یہاں تصوراتی عناصر کی نشان دہی کرتا ہے، پریم چند کے بعد رومانوی افسانوں کا دور آیا پھر ترقی پسند تحریک شروع ہوئی جس نے سماجی حقوق کے سنجیدہ بیان پر مزید

زور دیا۔اس تحریک نے حسن کی افادیت پر زور دیا اور افادیت میں حسن کی تلاش کرنے کی بھرپور کوشش کی ،'انگارے" اسی نظریہ کا نمائندہ افسانوی مجموعہ ہے،جنس کے موضوع پر جو اس سے قبل شجرِ ممنوعہ سمجھی جاتی تھی ، بے شمار افسانے لکھے گئے ،سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی جیسے افسانہ نگار کھل کر سامنے آئے اسی روایت شکنی کا اثر تھا کہ اس دور میں عورتیں بھی افسانہ نگاری کے میدان میں داخل ہوئیں ،جس میں عصمت چغتائی سرِ فہرست ہیں عورتوں کے اس میدان میں داخل ہونے کا سب سے بڑا اثر افسانوی زبان پر پڑا،متوسط طبقے کی گھریلو بول چال کی زبان جو اب تک چاردیواروی میں تھی افسانوں میں نظر آنے لگی۔

جلد ہی ترقی پسندی کا طلسم ٹوٹنے لگا۔۱۹۵۰ء کے پہنچتے پہنچتے ،اُردو افسانہ ایک ایسے موڑ پہ آ گیا جہاں تھکا دینے والی یکسانیت، میکانیکی قسم کا شعور اور غیر دلچسپ قسم کی تقریروں نے اس کی شیرینی اور تاثر کو ختم کر دیا تھا، چنانچہ اس کے ردِّعمل کے طور پر ایک مرتبہ پھر لوگ رومانیت، کی پناہ گاہوں کی طرف واپس جانے لگے۔ نئے دور کے افسانہ نگاروں کے علاوہ ۱۹۵۰ء کے بعد پرانے لکھنے والوں کے اسلوب اور نفسِ مضمون میں بھی تبدیلی ہوئی۔ کرشن چندر کا صحافتی انداز مدھم ہوا۔ عصمت چغتائی کی جنس کے دلچسپی کم ہوگئی ممتاز مفتی کے ہاں بھی جنس زدگی کم ہی رہی۔ایڈگر ایلن پو، نے پراسرار فضا، جرم، تاریکی، اور ڈرامائیت سے اپنے افسانوں کا خمیر تیار کیا ہے، حجاب امتیاز علی کی تکنیک اسی کا پرتو ہے۔

مقبول عام تکنیک سے ہٹ کر اُردو افسانے میں چند تجربے کئے گئے ،محسن عظیم آبادی کے افسانے "انوکھی مسکراہٹ' میں لاشعور کی ایک معمولی سی رو کو بڑے ہی بے ساختہ انداز میں پیش کیا گیا ،غلام عباس کی ،'آنندی ' بھی ایک نیا تجربہ تھا جس میں ایک ہیرو، ہیرئین کی کہانی نہیں ہے ایک پیشہ ور ایک طبقے کی کہانی ہے، کرشن چندر کا "ان داتا' بھی ایک اہم تجربہ تھا جس میں بہ یک وقت،

رپورتاژ اور ریڈیوڈا کومینٹری کی تکنیک اپنائی گئی۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اُردو افسانہ پریم چند سے لے کر اب تک نت نئے میلانات سے دوچار رہا مگر بنیادی طور پر سارے میلانات حقیقت نگاری اور رومانیت کی دو متوازی لکیروں کے بیچ مقید ہے۔

نئے افسانوں میں ایک نمایاں رجحان بغاوت کا ہے۔ یہ بغاوت نوجوان ذہن کی بغاوت ہے، جو قدامت پرستی، رسم و رواج، اخلاقی اور سماجی قیود کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہے، فن اور تکنیک میں اُردو کے نئے افسانے نے مغرب کے افسانوں کے فن کے اثرات بلا تکلف قبول کئے۔ جدید افسانہ کے اس نئے دور میں سب سے ممتاز نام کرشن چندر کا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کو جدید افسانوی ادب میں کرداری افسانوں کا نمائندہ کہا جاتا ہے، حیات اللہ انصاری، اشک، منٹو بھی اس دور کے اہم نام ہیں۔

4.3 اُردو میں جدید افسانہ کی ابتداء:

جدید افسانہ کا آغاز منشی پریم چند کے افسانہ " کفن' سے ہوتا ہے، پریم چند کے عہد تک اُردو جدید افسانہ چغتائی کی تصویروں کی طرح خیالی زیادہ حقیقی کم تھا۔ پریم چند گاندھی وادی تھے، اور سماج وادی تحریکات سے ذہنی وابستگی رکھتے تھے، ۱۹۶۳ء میں ترقی پسند تحریک وجود میں آئی تو جیسے اُردو افسانے پر بندھا ہوا بندھ ٹوٹ گیا، دیکھتے ہی دیکھتے ایک نسل وجود میں آ گئی ایک قافلے کا قافلہ متحرک ہو گیا، سجاد ظہیر، احمد علی، کرشن چندر، منٹو اور محمد حسن عسکری نے تکنیک میں نئے تجربے کئے۔

جدید افسانہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس کی عمر سب سے کم ہے لہذا ابھی تک اس کی جامع اور مکمل تعریف متعین نہیں ہو سکی۔ افسانوں کا مطالعہ کرنے سے چند اجزائے ترکیبی سامنے آتے ہیں

ان میں کچھ ایسے ہیں جو کم و بیش ہر افسانہ میں موجود ہوتے ہیں، اور چند خال خال ہی نمایاں ہو پاتے ہیں، جدید افسانے میں جن جن عناصر کا وجود ملتا ہے، ان کا ذکر ہوتا رہے گا، لیکن ضروری نہیں کہ تمام عناصر کسی ایک افسانے میں بیک وقت موجود ہوں۔

۱۹۴۰ء کے بعد جدید افسانہ نے اپنی ہیئت اور موضوع دونوں میں تبدیلی کی ہے، لہذا ان میں چند نئے عناصر بھی داخل ہو گئے ہیں اُردو میں جدید رجحان کے تحت، افسانے کی پرانی اور مروجہ تعریف کو نامکمل بنا دیا ہے، ۱۹۴۰ء کے بعد قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین کے علاوہ دو رجحان اُبھر کر سامنے آئے ایک وہ گروپ تھا جو عصری ہئیت کے ساتھ ترقی پسند رجحان کو آگے بڑھا رہا تھا اس گروپ میں رام لعل، عابد سہیل، قاضی عبد الستار، اقبال متین، اظہار افسر، رتن سنگھ، جوگندر پال، الیاس احمد گدّی، قیصر تمکین، واجدہ تبسم وغیرہ افسانہ نگاروں نے کہانی پن کا خیال رکھتے ہوئے علامتوں کا استعمال کیا ہے، جدیدیت کی تمام تر خوبیوں کو اپناتے ہوئے قصہ پن، پلاٹ اور کردار جیسے افسانے کے اہم عناصر کا دامن نہیں چھوڑا ہے، دوسرا گروپ وہ ہے جس نے کہانی کو تجرید کے قریب لا کھڑا کیا ہے علامتی اور تجریدی کہانیاں ترسیل و ابلاغ کی فکر کے بغیر لکھی ہیں ان میں انور سجاد، بلراج مین را، انور عظیم، سریندر پرکاش، اور احمد ہمیش کے نام سرفہرست ہیں ان افسانہ نگاروں نے پلاٹ، کردار اور قصے جیسے عناصر کو افسانے سے دور کر دیا ہے۔

4.4 جدید افسانہ کے چند ممتاز افسانہ نگار:

ترقی پسند دور میں اُردو افسانے کے چار ستون تھے کرشن چندر، بیدی، منٹو اور عصمت چغتائی، جدید افسانے کے بھی چار ستون ہیں بلراج مین را، سریندر پرکاش، انتظار حسین اور انور سجاد۔

بلراج مین را جدید افسانہ کی دنیا سے غائب ہو چکے ہیں، انتظار حسین اور انور سجاد پاکستان میں ہیں۔ اس وقت تن تنہا سریندر پرکاش ہیں جو اپنی تخلیقی اُپچ اور ذہانت سے افسانے کا تمام بوجھ اُٹھائے

ہوئے ہیں۔ یہ صورت حال اُردو زبان کو بڑی زبان کہنے والے کے لئے یقیناً باعث تشویش ہوگی، لیکن کتنے ہی اور نام ہیں اس نسل میں انور عظیم، عابد سہیل، غیاث احمد گدی، اقبال متین، اقبال مجید، رام لعل، جوگندر پال، رتن سنگھ، جیلانی بانو، شرون کمار ورما، وغیرہ جدید افسانہ تو بغیر قاری کے زندہ نہیں رہ سکتا، تجرید اور علامت کی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے قاری کو بھی قربان کیا جا سکتا ہے، اگر وہ افسانہ نگار کی طرح فنی ریاض نہیں کر سکتا، تو اس کے اعتماد کو بحال کرنے کے لئے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی ادیب یا افسانہ نگار یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی میجر وژن کی عکاسی کر رہا ہے جو عام قاری کی نظر سے پوشیدہ ہے تو اسے محض ترسیل کی ناکامی کا المیہ کہہ کر ٹالا جا سکتا ہے۔

ساتویں دہائی جدید افسانے کے تجربات کی دہائی تھی، آٹھویں عشرے میں اس کا زور کم ہونے لگا، اور ۸۰ء کے دہے میں چند نئے رجحانات واضح طور پر سامنے آئے ان رجحانات کو پروان چڑھانے میں نئی نسل کے افسانہ نگار پیش پیش ہیں، سب سے اہم رجحان جس میں نئی نسل کے تقریباً تمام افسانہ نگار شامل ہیں رویئے کی تبدیلی ہے یہ رویہ Revision یعنی نظر ثانی کا ہے جبکہ جدید افسانہ نگار کا رویہ جیسا عرض کیا گیا تحریک وتعمیر کا ہے۔ نیا افسانہ نگار حقیقت پسند افسانہ اور جدید افسانہ دونوں کو اپنا ادبی ورثہ سمجھتا ہے اور ماضی کو مسترد نہیں کرتا حال سے وابستہ ہے۔

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے جدید افسانہ کا آغاز پریم چند کے افسانے " کفن ' سے ہوتا ہے، پریم چند کے عہد تک اُردو افسانہ چغتائی کی تصویروں کی طرح خیالی زیادہ حقیقی کم تھا۔ پریم چند گاندھی واد تھے اور سماج واد تحریکات سے ذہنی وابستگی رکھتے تھے، انہوں نے جدید افسانے کی نئی دنیا آباد کی نقلی چہرے توڑ دیئے، انسانی خدوخال پر جو تصنع، بناوٹ تھا اُسے ہٹایا، انسان کو اس کے حقیقی روپ میں دیکھنے کی کوشش کی۔

جہاں تک ہئیت کا سوال ہے تو جدید افسانے میں ہئت کے تجربوں کی ایسی کثرت ہے جیسی شاعری میں نظر آسکتی ہے۔ بغیر پلاٹ کے کہانی بنائی گئی ہے، نئی علامتوں کی جستجو میں اساطری ادب کا مطالعہ کیا گیا، صرف مکالمے میں کہانی لکھی گئی، ظاہر ہے کہ یہ شعور کی رو کی تکنیک ہے، جسے ترقی پسند ادب میں تلاش کیا جا سکتا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اگلوں نے منہ کا مزہ بدلنے کے لئے شوق کیا تھا اور

اب اپنے وجود کے جواز کے لئے استعمال کی جارہی ہے، اسی تکنیک کا ایک اور رخ بھی ہے جس کی نظیر شاید ترقی پسند ادب میں نایاب ہے، یعنی دو کردار گفتگو کررہے ہیں ایک کردار جتنی دیر میں سوال کا جواب دیتا ہے، اتنی ہی دیر میں اس کے حافظے میں جو کچھ بیدار ہوتا ہے، اسی کو قوسین میں لکھ دیا جا تا ہے، لیکن "یہ جو کچھ "یا تو کہانی کی بکھری ہوئی کڑیوں کو جوڑتا ہے، یا کہانی کو آگے بڑھاتا ہے۔

جدید افسانہ کا ایک اور اہم موضوع کرداروں کا نفسیاتی تجزیہ ہے، جدید افسانے میں ایک اور نمایاں رجحان بغاوت کا ہے۔ اس کی طرف بغور مشاہدہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ عام طور پر یہ بغاوت نوجوان ذہن کی بغاوت ہے، جو قدامت پرستی، رسم ورواج، اخلاقی اور سماجی قیود کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہے، فن اور تکنیک میں جدید اردو افسانہ نے مغرب کے افسانے کے فن کے گہرے اثرات بلا تکلف قبول کئے ہیں، یہ اثرات بعض افسانوں میں تو اتنے گہرے ہیں کہ ان کی فضا کسی اجنبی دیس کی فضا معلوم ہوتی ہے اور ان کے کردار محض اپنے ناموں سے ہمارے سماج کی انسان معلوم ہوتے ہیں۔

4.5 خلاصہ:

جدید افسانہ یا مختصر افسانہ اپنے اصطلاحی اور تکنیکی مفہوم میں غزل کے بعد اُردو ادب کی سب سے مقبول صنف ہے اور غزل ہی کی طرح جدید افسانہ لکھنا بظاہر جس قدر آسان ہے، اچھا افسانہ لکھنا اتنا ہی مشکل ہے، ناول کی طرح افسانہ بھی اُردو میں مغرب بلکہ یوں کہئے انگریزی کے زیر اثر آیا۔ انگریزی کے علاوہ اور زبانوں بالخصوص روسی اور فرانسیسی افسانوں نے کبھی اُردو کے افسانہ نگاروں کو متاثر کیا ہے لیکن یہ افسانے بھی انگریزی ترجموں کے وسیلے سے اُردو میں آئے۔ ناول کے ساتھ ساتھ افسانے کا بھی ارتقاء ہوتا رہا۔ آج اُردو رسالوں اور اخباروں میں سب سے زیادہ جو صنف مقبول نظر آتی ہے وہ افسانہ ہی ہے، ناول اور افسانے میں فرق صرف طول اور اختصار کا نہیں دونوں کے فن اور تکنیک میں فرق ہے۔

منشی پریم چند نے اُردو افسانے کو حقیقت نگاری اور واقعیت پسندی کے جس فن سے آشنا کرایا

تھا اس کی روایت کو آگے بڑھانے میں سدرشن، علی عباس حسینی، اور اعظم کریوی کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ حامد اللہ افسر نے اپنے افسانوں میں مسلمانوں کے متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے کرداروں اور ان کی کہانیوں کو پیش کیا ہے سلطان حیدر جوش نے مغرب کی تہذیب و معاشرت کے بڑھتے ہوئے اثر کے خلاف اکبر الہ آبادی کی طرح ایک محاذ بنانے کی کوشش کی۔ نیاز فتح پوری اور سید سجاد حیدر یلدرم اور بعد میں حجاب امتیاز علی نے خاص اور رومانی انداز کے افسانے لکھے۔ سجاد حیدر یلدرم کو ترکی زبان سے بڑی دلچسپی تھی انہوں نے ترکی سے بہت سے خیالات اُردو میں منتقل کئے۔ اصلاحی افسانوں میں ایک اہم نام مولانا راشد الخیری کا ہے اُردو افسانے کے نئے دور میں سب سے ممتاز نام کرشن چندر کا ہے۔ راجندر سنگھ بیدی کو جدید افسانوی ادب میں کرداری افسانوں کا نمائندہ کہا جاتا ہے، ایک اور اہم نام حیات اللہ انصاری کا بھی ہے، عصمت چغتائی اُردو افسانے کے دور جدید میں ایک مقبول نام ہے۔ اسی دور کا ایک اور افسانہ نگار اپندر ناتھ اشک ہے۔ سعادت حسن منٹو اس دور کے مشہور یا بدنام افسانہ نگار ہیں بعد کے افسانہ نگاروں میں انتظار حسین، جیلانی بانو وغیرہ کے نام آئیں گے۔

4.6 نمونہ امتحانی سوالات:

ا۔ جدید اردو افسانہ کے آغاز وارتقاء پر ایک نوٹ لکھئے۔،

٢۔ جدید اردو افسانے کی بنیادی خصوصیات پر ایک تفصیلی نوٹ لکھئے۔

ان سوالات کے جوابات 4.2 اور 4.3 میں دیکھئے۔

4.7 فرہنگ

لفظ	معنی	لفظ	معنی
متنازعہ	جھگڑا کیا گیا، وہ چیز جس پر جھگڑا ہوا ہو۔		

متوسط طبقہ	مڈل کلاس	امتزاج	ملاوٹ
طلسم	جادو،سحر	پرتو	سایہ،ظل
میلانات	رجحان،خواہش	متحرک	حرکت میں آنا
تجرید	تنہائی،ایک چیز کو دوسری چیز سے جدا کرنا		
عناصر	عصر کی جمع،اصل بنیاد،اصل جزو		
ترسیل	پہنچانا،	مسترد	ردا کیا ہوا،واپس
المیہ	دردناک واقعہ،سانحہ	جواز	جائز ہونا،منظوری
آشنا کرنا	واقف کرنا	جستجو	تلاش،سعی

4.8 سفارشی کتب:

۱۔ جدید افسانہ اور اس کے مسائل — وارث علوی

۲۔ جدیدیت اور ادب — آل احمد سرور

۳۔ افسانے کی حمایت — شمس الرحمن فاروقی

۴۔ نیا افسانہ — وقار عظیم

ڈاکٹر مرزا اکبر علی بیگ

وظیفہ یاب پروفیسر

پی جی سنٹر،سکندرآباد

ಆದೇಶ ಸಂಖ್ಯೆ : ಕರಾಮುವಿ/ಅಸಾವಿ/2-1615/2012-2013 ದಿನಾಂಕ : 24.07.2012

ಒಳಪುಟ : 60 GSM ವೆಸ್ಟ್‌ಕೋಸ್ಟ್ ಪೇಪರ್ ಮತ್ತು ಹೊರಪುಟ : 170 GSM ಆರ್ಟ್‌ಕಾರ್ಡ್

ಮುದ್ರಕರು : ಗೀತಾಂಜಲಿ ಗ್ರಾಫಿಕ್ಸ್, ಬೆಂಗಳೂರು. ಪ್ರತಿಗಳು : 200

Karnataka State Open University

Manasagangotri Mysore - 570 006

The Open University system has been initiated in order to augment opportunities for higher education and as an instrument of democratizing education.

National Education Policy 1986

♣ **REGIONAL CENTRES**

Bangalore
Davanagere
Gulbarga
Dharwad
Shimoga
Mangalore
Tumkur
Hassan
Chamarajanagar
Bellary
Mandya
Kolar
Bijapur
Belagaum
Ramanagar
Bangalore (another one)
Chikmagalur
Udupi
Karwar
Bidar
Mysore

- **HEAD QUARTERS**
- ★ **Total Study Centres : 123**
- ♣ **Regional Centres : 21**
- ❄ **B.Ed Study Centres : 10**
- ✦ **M.Ed Study Centres : 06**

KSOU

Higher Education to everyone everywhere

ಉನ್ನತ ಶಿಕ್ಷಣ ಎಲ್ಲರಿಗೂ ಎಲ್ಲೆಡೆ

ಕರ್ನಾಟಕ ರಾಜ್ಯ ಮುಕ್ತ ವಿಶ್ವವಿದ್ಯಾನಿಲಯ

ಮಾನಸಗಂಗೋತ್ರಿ, ಮೈಸೂರು – 570 006

Karnataka State Open University

Manasagangotri, Mysore - 570 006 Website : www.ksoumysore.edu.in